ہو رہا ہے کس طرح رشتوں کو پامال کیا جا رہا ہے۔ پھر یہی لوگ ان لوگوں پر ہنستے ہیں جو ان کی باتوں میں آ کر حقیقی رشتوں کی پہچان تک بھول چکے ہیں کیونکہ ان کے جسم پر ایسی فصیلیں اُگی ہیں جو یہ لوگ دیکھنے کی بصارت نہیں رکھتے ان کو معلوم نہیں کہ یہی فصیلیں ان کے ناتواں کندھوں پر موجود ہیں۔ جو ہر قسم کے رشتوں میں رکاوٹ کا باعث بنتی ہیں۔ جو لوگ رشتوں کی پہچان بھول چکے ہیں وہ سوچ و عمل کے تضاد کا شکار ہیں اور یہی تضاد اِتنا بڑھ چکا ہے کہ ان کی اندر کی آنکھ بصارت سے محروم ہو چکی ہے۔

مصنف جوان تمام حالات میں اتنا پریشان ہے کہ کس طرح لوگ ایک دوسرے کو نظرانداز کر رہے ہیں اور معاشرہ کس قدر مایوسیوں کا شکار ہو چکا ہے۔ اور ساتھ یہ بھی سوچتا ہے کہ حالانکہ ہم تینوں بہن بھائی ایک ہی ماں کی اولاد ہیں لیکن آج ہمارے خونی رشتے میں اجنبیت کا سایہ اتنا بڑھ چکا ہے کہ ایک دوسرے کے قریب رہ کر بھی نہیں پہچان پاتے کیونکہ معاشرے نے بدگمانی، خودغرضی، خودفریبی کی رسی کو اس قدر مضبوطی سے پکڑ رکھا ہے ان کو معلوم نہیں ہے کہ یہی رسی ٹوٹ کر اندھے کنویں میں گرا دے اور تباہ و برباد کر دے۔ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ جن راستے پر چل رہے ہیں یہی صحیح راستہ ہے۔ اس لیے رشتوں کے معانی تک بھول چکے ہیں۔

''فصیلیں اور رشتے'' فنی اور فکری لحاظ سے ایک عمدہ افسانہ ہے منظور راہی نے اس افسانہ میں ایسی حقیقت کو بیان کیا ہے جو عصری حالات کی تبدیلی، محبت اور رشتوں جیسی اعلیٰ قدروں کو بھی یکسر بدل دیتی ہے اور آج کے معروف اور مشینی دور میں مرتے ہوئے رشتوں کی آخری ہچکی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ احمد عقیل روبی، منفرد اور اچھی کہانیاں، مشمولہ: بانجھ موسموں کا سفر از منظور راہی، لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۱۳ء، ص:۱۹

۲۔ ایضاً، ص:۲۰

۳۔ منظور راہی، فصیلیں اور رشتے، مشمولہ: بانجھ موسموں کا سفر، لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۱۳ء، ص:۴۱

۴۔ ایضاً، ص:۴۱

۵۔ ایضاً، ص:۴۱

☆......☆......☆

شاہد احمد دہلوی بحیثیت خاکہ نگار

قیصر آفتاب احمد

Qaisar Aftab Ahmad

Ph. D Scholar, Department of Urdu,

National University of Modern Languages, Islamabad

Abstract:

Shahid Ahmed Dehlvi is well known Urdu writer. He was a great translator, and prose writer. He was also well known and distinguished sketch writer in Urdu. This article is best a simple way to company the Urdu about the importance of Shahid Ahmed Dehlvi in Urdu Literature.

انسانی زندگی میں چند پہلو ایسے ہیں جن کے باعث اُردو ادب کی بہت سی اصناف نے جنم لیا ہے اس کی دو اہم وجوہات ہیں۔ایک تو یہ ہے کہ انسان کو کہانیوں اور قصوں سے دلچسپی ہوتی ہے۔دوسرا یہ کہ وہ اپنے آس پاس کے لوگوں کے بارے میں معلومات کا تجسس رکھتا ہے۔جس کی بدولت ادب میں دو بڑی اقسام سامنے آتی ہیں۔

۱۔افسانوی ادب:

اس میں داستان، ناول، افسانہ اور ڈرامہ شامل ہیں یہ صنف قصے اور کہانیوں پر مشتمل ہے۔ یہ کہانیاں اور قصے فرضی اور من گھڑت ہوتے ہیں۔

۲۔غیر افسانوی ادب:

اس میں مضمون، مقالہ، انشائیہ، سوانح عمری، آپ بیتی، خاکہ، مکتوب، تبصرہ، طنز ومزاح، سفرنامہ، نثری نظم وغیرہ شامل ہیں۔جس میں مختلف قسم کی معلومات فراہم کی جاتی ہیں، یہ حقیقت پر مبنی ہوتی ہیں۔انسان کے بارے میں جاننے کے لئے ان اصناف میں سے ایک صنف خاکہ نگاری بھی ہے۔اوّلین خاکہ نگار مولوی عبدالحق اور فرحت اللہ بیگ ہیں۔انسان کا مطالعہ انسان ہے۔مولوی عبد الحق خاکہ نگاری کے حوالے سے یوں رقمطراز ہیں۔

''انسان کا بہترین مطالعہ انسان ہے''(۱)

سبھی اصناف کی طرح خاکہ نگاری بھی انسانی حالات کی عکاسی کرتی ہے۔لیکن اس کا انداز سوانحی ادب سے مختلف ہے لیکن اس میں ایک چیز مشترک ہے وہ ہے طوالت اور وضاحت جس نے وقت کی کمی کی وجہ سے داستان سے ناول، ناول سے افسانہ اور افسانے سے افسانچے تک کا سفر طے کیا ہے۔ اسی طرح سوانحی ادب میں سے سیرتوں اور طویل سوانح عمری کی جگہ خاکے نے لے لی ہے۔

لفظ خاکہ انگریزی میں''Sketch''کے مترادف ہے مگر جب ایک صنف کے طور پر اُردو ادب میں اپنایا جائے تو اس کی ایک الگ شناخت ہوتی ہے۔اسی ضمن میں نثار احمد فاروقی نے کیا

خوبصورت بات کی ہے۔

> ''اسکیچ کیلئے اُردو میں خاکہ نگاری، مرقع، قلمی تصویر وغیرہ کی اصطلاحیں استعمال کی گئی ہیں ان میں خاکہ سب سے زیادہ موزوں ہے کیونکہ اسکیچ کا پورا مفہوم اس لفظ سے ادا ہوتا ہے۔ اچھے اسکیچ کی تعریف ہی یہی ہے کہ بعض گوشوں کی نقاب کشائی ایسی ماہرانہ نفاست کے ساتھ کی جائے کہ اس کی شخصیت کو خاص تاثیر پڑھنے والے ذہن میں خود بخود پیدا ہو۔''(۲)

ادب میں خاکہ کو وہی اہمیت حاصل ہے جو مصوری میں لکیروں کو حاصل ہے۔ خاکہ نگار تھوڑے سے الفاظ سے شخصیت کے نمایاں اُوصاف کو اجاگر کرتا ہے یہ کام ایک خاص طرز سے ہوتا ہے کیونکہ خاکہ نگار کے پاس واقعات وتاثرات کا ڈھیر ہوتا ہے۔ ان میں ایسے واقعات کا انتخاب کرنا ہوتا ہے جن میں پوری شخصیت کا عکس نظر آئے، ورنہ غیر ضروری تفصیلات اور واقعات کی بھرمار سے خاکہ کی تاثیر ختم ہو جاتی ہے۔ اسی بات کے پیشِ نظر مبین مرزا کی یہ رائے ہے:

> ''پیشِ نظر شخصیت جو کچھ اور جیسی ہے اس کی وقعت اپنی جگہ مسلم لیکن دیکھنے والا اسے دیکھ کس زاویے سے رہا ہے یہ بات بھی کچھ کم نہیں۔ یہ معاملہ بھی توجہ طلب ہے کہ اپنے موضوع کا مشاہدہ کرتے ہوئے خود خاکہ نگار کی ذہنی کیفیت کیا ہے وہ زندگی کے ہر واقعے قصے اور رابطے میں آنے والے ہر آدمی کو اپنی ذہنی کیفیت کے فلٹر سے گزار کر دیکھتا ہے۔''(۳)

جو خیال خاکے کا نام سنتے ہی ہمارے ذہن میں آتا ہے وہ کسی شخصیت کی تصویر کو تشکیل دیتا ہے۔ اسی حوالے سے ادبیات تاریخ مسلمانانِ پاکستان میں یوں تحریر ہے۔

> ''اب ہمارے ذہن میں خاکے کا نام سن کر جس تحریر کا تاثر اُبھرتا ہے اسے یوں بیان کیا جا سکتا ہے: کسی شخصیت کے بارے میں ایسا نثر پارہ جو شخصیت کی چلتی پھرتی تصویر تشکیل دے سکے۔''(۴)

خاکہ نگار کے لیے جو بات سب سے اہم ہے وہ شخصیت کا انتخاب کرنا ہے۔ اور اس کی شخصیت میں کیا اوصاف ہیں جو قارئین کیلئے دلچسپی کا باعث ہیں یا نہیں؟ اس میں ضروری نہیں کہ آپ بڑے لوگوں کے خاکے لکھیں بلکہ عام آدمیوں کے خاکے میں بھی لکھے جا سکتے ہیں۔ مثلاً عبدالحق کا لکھا ہوا خاکہ ''دیو مالی'' اور رشید احمد صدیقی ''کندن'' جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اچھے، برے، چھوٹے، بڑے، ادنیٰ و اعلیٰ، امیر، غریب کا کوئی فرق نہیں ہر شخص پر خاکہ لکھا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ

خاکہ نگار نے قریب سے دیکھا ہو اور اسے یادگار بنانے کا ہنر بھی آتا ہو لیکن اس میں یہ بھی ضروری نہیں کیونکہ سعادت حسن منٹو کا ''میرا صاحب'' جو اس نے قائد اعظم کے بارے میں لکھا اس میں ہنر مندی نہیں بلکہ سنی ہوئی باتوں کا ایک عمدہ خاکہ تیار کیا ہے۔

بعض ناقدین کے نزدیک اختصار ضروری ہے خاکہ طویل بھی ہوسکتا ہے۔ فرحت اللہ بیگ اور رشید احمد صدیقی کے خاکے طویل ہیں۔ ایک بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ شخصیت کا سراپا، چہرہ، ظاہری و باطنی خوبیوں کا احاطہ کر کے ایک مکمل تصویر بنا کر قارئین کے سامنے پیش کیا جائے خاکے میں واقعات کا انتخاب اور ترتیب بھی ایک خاص طرز سے کی جاتی ہے۔ نہ تو واقعات کی بھرمار ہو اور نہ ہی بے ترتیب ہو۔ واقعات میں شخصیت کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کیا جائے۔ ان تمام لوازمات کے ساتھ ساتھ اسلوب بیان عمدہ ہونا خاکے کے لیے لازمی ہے کیونکہ اس کے بغیر ساری خوبیاں بے معنی ہیں۔ خاکہ نگار کا اسلوب سادہ، مروج اور شگفتہ ہو۔ مرزا فرحت اللہ بیگ، مولوی عبدالحق اور رشید احمد صدیقی کے اسلوب میں ان کا اپنا رنگ دکھائی دیتا ہے۔

اُردو میں خاکہ نگاری کی روایت محمد حسین آزاد کی کتاب ''آبِ حیات'' سے ملتی ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جس میں اُردو خاکوں کا شعور دے کر عملی مثال قائم کی۔ اس کے بعد باقاعدہ خاکہ نگاری کا آغاز مولوی عبدالحق اور فرحت اللہ بیگ سے ہوتا ہے۔ مولوی عبدالحق ''چند ہم عصر'' خاکوں کا مجموعہ، بعض ناقدین کے نزدیک یہ خاکہ نگاری پر پورا نہیں اترتا، کیونکہ اس میں انسانی حصائل زیادہ ہیں اور شخصی تصویر کم ہے۔

رشید احمد صدیقی کے خاکے جو اُردو ادب میں بہترین اور معیاری ہیں وہ یہ ہیں ''ایوب عباسی'' اور ''گنج ہائے گراں نما'' ان کے علاوہ اشرف صبوحی ''دلی کی چند عجیب ہستیاں'' عصمت چغتائی کا خاکہ ''دوزخی''، سعادت حسن منٹو کے خاکے ''گنجے فرشتے'' دلچسپی کے باعث ہیں۔

''لاوڈ اسپیکر'' کے عنوان سے ایک خاکوں کا مجموعہ حقیقت نگاری کا ترجمان ہے۔ محمد طفیل کے خاکوں کے کئی مجموعے ہیں مثلاً، صاحب، جناب معظم محترم، وغیرہ سب کا انداز بے تکلف ہے، عبدالمجید سالک کی ''یاراں کہن'' چراغ حسن حسرت کی ''مردم دیدہ'' الطاف حسین بریلوی کی ''راہی اور رہنمائی'' عبادت بریلوی کی ''رہ نوردانِ شوق'' غلام احمد فرقت کی ''ناروا''، مرزا ادیب کے خاکے ''ناخن کا قرض'' انتظار حسین کے خاکے ''ملاقاتیں''، ظہیر احمد کے خاکے ''اب بھی زندہ ہیں'' حکیم آفتاب احمد ''کارواں شوق'' خاکوں کا مجموعہ ''البم'' اور البم خاکوں نے دونوں مجموعے فارغ بخاری نے تحریر کیے، ضمیر جعفری کے اُڑتے خاکے زندگی کی دلچسپ حقیقتوں کا ترجمان ہیں صادق الخیری نے ''ایمان کسے کہتے'' جو اپنے دوستوں واحباب کے خاکے لکھے۔ اس کے علاوہ مختار مسعود (سفر نصیب)، ابوالحسن ندوی (پرانے چراغ) کے خاکے شامل ہیں۔ اس کے علاوہ خاکہ نگاری میں چند اہم نام اور بھی ہیں۔

مثلاً مرزا فرحت اللہ بیگ، مولوی عبدالحق، رشید احمد صدیقی، عصمت چغتائی اور اشرف صبوحی۔ ان میں سے ایک ممتاز نام شاہد احمد دہلوی ہے۔

اُردو کے پہلے ناول نگار ڈپٹی نذیر احمد کے پوتے اور مولوی بشیر الدین احمد کے بیٹے، شاہد احمد دہلوی ۲۲ مئی ۱۹۰۶ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ یہ مضمون ان کی یوم پیدائش کے حوالے سے خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ ان کے خاندان میں علم، دولت اور شہرت بہت تھیں۔ جس میں آپ نے پرورش پائی۔

جنوری ۱۹۳۰ء میں ماہنامہ ساقی کا اجراء کیا۔ ۱۹۳۶ء میں ترقی پسند تحریک میں شمولیت اختیار کر لی اور سیکرٹری بن گئے قیام پاکستان کے بعد ہجرت کر کے لاہور آ گئے پھر اس کے بعد کراچی چلے گئے۔ کراچی میں دوبارہ ماہنامہ ساقی کا اجراء بھی کیا جو کہ ہجرت کے بعد بند ہو گیا تھا۔ اور اس کے بعد ریڈیو پاکستان کراچی میں بطور میوزک سپروائزر ملازم ہو گئے۔ آپ کو موسیقی سے بہت دلچسپی تھی باقاعدہ موسیقی پر لاتعداد مضامین لکھے۔ حکومت پاکستان کی طرف سے ''صدارتی تمغہ برائے حسن'' کارکردگی ملا۔ آپ ۲۷ مئی ۱۹۶۶ء کو دنیا سے رخصت ہوئے۔

شاہد احمد دہلوی ایک اچھے خاکہ نگار ہونے کے ساتھ ایک اچھے مترجم، ادیب اور صحافی بھی تھے۔ اُن کے خاکوں کے دو مجموعے ''گنجینہ گوہر'' ۱۹۶۲ء اور ''بزم خوش نفساں'' ۱۹۸۵ء میں شائع ہوئے۔ پہلے مجموعے میں سترہ شخصیات کے خاکے ہیں۔ دوسرا مجموعہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے مرتب کیا۔ اس میں 26 شخصی خاکے شخصیات کے ہیں۔ تاج بیگم فرخی نے ان کے خاکوں ''طاق نسیاں'' کا ذکر کیا ہے۔ ان کے بقول:

> ''یہ مجموعہ ان کے کم یاب خاکوں پر مشتمل ہے ڈاکٹر سید محمد عارف نے شاہد احمد دہلوی کے خاکوں کے تفصیلی مطالعے میں کم یاب خاکے دریافت کیے اور انہیں ایک مجموعے میں شائع کر دیا کل ۳۳ خاکے ہیں۔ ان میں سے بعض اضافوں کے ساتھ دوسرے مجموعوں میں بھی شامل ہیں۔'' (۵)

شاہد احمد دہلوی خاکہ نگاری کے عمدہ پیکر تھے وہ خاکہ نگاری کے تمام پہلوؤں سے واقف تھے اور عمدہ نثر لکھنے کا کمال حاصل تھا اور اسی حوالے سے میر ناصر علی یوں لکھتے ہیں۔

> ''جوانی کی تو کہتا نہیں ہاں بڑھاپے میں، میں نے میر صاحب کو سدا ایک ہی سا دیکھا۔ وہی خشخشی داڑھی اور سادہ وضع، مصنوعات سے انہیں نفرت تھی منہ میں صرف ایک دانت باقی تھا لیکن اس کے گر جانے پر نقلی دانت نہیں لگوائے۔'' (۶)

شاہد احمد دہلوی کے خاکوں میں شخصیت کے رنگ اور انداز تبدیل ہوتے رہتے تھے، چھوٹے

جملے، دلی کا محاورہ، ٹکسالی زبان، سلاست، ضائع بدائع کا استعمال، ان تمام چیزوں سے مل کر ایک مخصوص اسلوب دکھائی دیتا ہے یہی نہیں خاکہ نگاری اور حلیہ نگاری میں کمال حاصل ہے۔انہوں نے عظیم بیگ چغتائی اور خواجہ حسن نظامی کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے لیکن ان کے خاکوں ایک عنصر جو مشترک تھا وہ ہے دہلی کی تہذیبی، ثقافتی اور ادبی فضا جس نے شخصیات کو خاکوں کا موضوع بنایا جس میں دہلی کی نمائندہ شخصیات مثلاً ڈپٹی نذیر احمد، بشیر الدین احمد، میر ناصر علی، راشد الخیری وغیرہ شامل تھے۔ان کی روشنی میں یحییٰ احمد یوں لکھتے ہیں:

''چہرہ نویسی کے باب ان کا کوئی حریف نہیں ہے دوسروں کے لکھے ہوئے چہرے پڑھ کر آپ دھوکا کھا سکتے ہیں۔اس چہرے سے ملتی جلتی شکل اس خاص چہرے کا گمان کر سکتے ہیں مگر شاہد کا چہرہ اگر کہیں ملے گا تو اس خاص آدمی کی گردن پر۔''(۷)

اس کے علاوہ شاہد احمد دہلوی کسی شخصیت کو مافوق الفطرت نہیں بناتے تھے۔شاہد احمد کی خاکہ نگاری کی ایک اہم خوبی یہ تھی کہ اس میں اختیار تھا۔سب کچھ کہنے کے باوجود ان کے تسلسل میں کبھی جھول نہیں آئے اور نہ ہی دلچسپی میں کمی واقع ہوئی۔ قاضی احمد میاں کا خاکہ نہایت ہی مختصر ہے مگر جامعیت کی عمدہ مثال ہے۔جیسا کہ:

''خدا خدا کر کے ان کے دن پھرے اور نہ جانے کس کی مہربانی سے انہیں سندھ یونیورسٹی میں اسلامیات کی کرسی ملی۔ ان سے آخر ملاقات سندھ یونیورسٹی میں ہوئی خوش تھے۔چھوٹا سا گھر رہنے کو مل گیا تھا کہتے تھے کہ اب جا کر بیوی بچوں کو بھی لے آؤں گا۔مگر بدنصیبی نے یہاں بھی ساتھ نہ چھوڑا بیوی کچھ بیمار پڑیں اور چٹ پٹ ہوگئیں۔قاضی صاحب کی دنیا اندھیری ہوگئی ننھے ننھے بچے خود ہی پالتے۔گھر میں لگانے کو آدمی نہیں چند ماہ اسی حالت گزرے ہوں گے کہ ہارٹ فیل ہوگیا۔''(۸)

ایک اہم بات جو ان کے خاکوں میں تھی وہ شخصیت سے ذاتی تعلق تھا حلیہ نگاری کے ساتھ ساتھ کردار نگاری میں کمال حاصل تھا۔اسی حوالے سے ڈاکٹر نوازش علی یوں لکھتے ہیں:

''حلیہ نگاری کے ساتھ ساتھ کردار نگاری میں بھی انہیں ملکہ حاصل ہے، میر ناصر علی، خواجہ حسن نظامی، عظیم بیگ چغتائی، میراجی، سعادت حسن منٹو اور بےخود دہلوی کے خاکوں میں ان کی سیرت کی عکاسی کی گئی ہے کہ ان کی شخصیت کے مثبت اور منفی دونوں رُخ

اجاگر ہو جاتے ہیں۔''(۹)

ایک بات یہ بھی کہی جاتی ہے کہ شاہد احمد دہلوی نے انہی پر قلم اُٹھایا جن سے ان کے صرف قریبی تعلقات تھے۔ بہت سے ناقدین نے اس کی تائید بھی کی ہے۔ بقول عطاء الرب:

''گنجینہ گوہر کے تمام خاکے ان ادیبوں، شاعروں اور فن کاروں پر لکھے گئے جن سے مصنف کی نہ صرف ملاقات بلکہ جنہیں بہت قریب سے دیکھا تھا۔''(۱۰)

البتہ ایک بات تھی کہ ان کے خاکوں میں معلومات بہت تھیں۔ تخیلی تصورات کو بھی حقیقت نگاری کی شکل دی ہے۔ گنجینہء گوہر کا طرزِ تحریر مختلف ہے اس کا اسلوب عام بول چال کی طرح کا ہے واقعات کا بیان براہ راست اور بے تکلف ہے انداز بیاں میں خوبصورتی اور فطری عناصر ہیں۔ ان کے خاکوں بے تکلفی کی فضا ملتی ہے۔

چہرہ نویسی میں کمال حاصل ہے دوسرے کے چہرے پڑھ کر آپ دھوکا کھا سکتے ہیں اس چہرے سے ملتے جلتے خدوخال پر کسی خاص چہرے کا گمان کر سکتے ہیں لیکن شاہد صاحب کے چہرے میں خاص آدمی کے خدوخال واضح نظر آتے ہیں اور حلیہ نگاری میں اعلیٰ درجہ کا کمال حاصل تھا۔ اسی حوالے جگر مراد آبادی یوں لکھتے ہیں:

''کالا گھٹا ہوا رنگ، اس میں سفید سفید کوڑیوں کی طرح چمکتی ہوئی آنکھیں، سر پر اُلجھے ہوئے پٹھے، گول چہرہ، چہرے کے مقابلے ناک کس قدر چھوٹی اور منہ کس قدر بڑا کثرت پان خوری کی وجہ سے منہ اگالدان۔۔۔۔ بائیں ہاتھ میں ایک میانہ قد کا اٹاچی کیس۔''(۱۱)

شاہد احمد دہلوی کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ جزئیات نگاری میں تفصیل اختیار نہیں کرتے بل کہ مذکور شخصیات کے معائب و محاسن پر بے لاگ تبصرہ کرتے ہیں، شاہد احمد دہلوی کے خاکے قاری کو متاثر کرتے ہیں کیوں کہ ان خاکوں میں سلاست اور روانی ہے۔ اندازِ تحریر پرکشش ہونے کے ساتھ ساتھ پُر تاثیر بھی ہے۔

شاہد قاری کو متاثر کرتے تھے کیونکہ ان کے خاکوں میں بڑی سلاست اور بے ساختگی تھی۔ ان کا اندازِ تحریر پرکشش تھا۔ اسی بات کی تائید کرتے ہوئے عبدالرب کی رائے یہ ہے:

''اُردو ادب کی خاکہ نگاری کی دنیا میں تین کتابیں زنداں جاویداں (کذا) رہیں گی ''چند ہم عصر'' گنج ہائے گرانمایہ اور تیسری شاہد احمد دہلوی کی ''گنجینہء گوہر'' اس کتاب کے تمام خاکے دلچسپ ہیں مگر خاص طور پر منٹو، حسن نظامی، بشیر الدین احمد، مرزا عظیم بیگ،